⊙ اقبال احمد شاہ

پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

⊙ ڈاکٹر محمد آصف

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

اے غزالِ شب: لاہور کی تہذیب کا نمائندہ ناول

Abstract:

Mustansar Hussain Tarar,being a notable writer of the age has created some marvelous novels in which he has attempted to bring forth of colors of local civilization and culture. Aey Ghazaal e Shab is his novel which,on one hand,shows the conflicting ideological struggle and on the other hand,Tarar has ventured to bring forth the distinguished features of the civilization of Lahore. the unique thing about Tarar is that he has presented the ancient and modren civilization of Lahore in the novel as parellel manner. On the whole this novel will be termed as the representative as well as the reflection of civilization of Lahore. This novel shows the real love of Tarar with the civilization of Lahore.

.

Keywords:

Novel, Culture, Civilization, Lahore, Fiction, Native

مستنصر حسین تارڑ کا شمار عصر حاضر میں اردو ادب کے بڑے ناول نگاروں میں ہوتا ہے۔ ''بہاؤ''، ''راکھ''، ''پیار کا پہلا شہر''، ''قربت مرگ میں محبت''، ''قلعہ جنگی''، ''خس و خاشاک زمانے'' ایسے شاہکار ناولوں کیساتھ ساتھ متعدد سفرنامے تارڑ کی پہچان ٹھہرتے ہیں۔ان کے ناولوں کی خاص بات ان میں سفرنامے کے عناصر کی آمیزش ہے۔ساتھ ہی ساتھ مختلف علوم پر دسترس، اپنے ملک کی تہذیب سے لگاؤ اور اس تہذیب کی پیش کش کا ہنر بھی تارڑ بخوبی جانتے ہیں۔ناول کے فن اور فنی تقاضوں سے بھی بخوبی آشنا ہیں۔ان سب پر بھاری تارڑ کا وہ اسلوب بیاں ہے جو انہیں

اپنے دور کے تمام ناول نگاروں سے ممتاز کرتا ہے۔ کچھ اس طرح کی خوبیوں اور فنی لوازمات سے مزین ان کا ایک اور ناول ''اے غزال شب'' ہے۔ ۲۰۱۳ء میں شائع ہونے والے اس ناول کا کینوس اپنے اندر آدرشوں، خواہشات اور نام نہاد آئیڈیالوجی کے پیچھے زندگی بیتانے والے کرداروں کی زندگی کے حالات کو سموئے ہوئے ہے۔

اس ناول کا مرکزی کردار مزدور لیڈر شمس الدین انقلابی کا بیٹا ظہیر الدین ہے۔ جب کہ ظہیر الدین کے ساتھ ساتھ مصطفیٰ اسلام شیخ، وارث چودھری، عارف نقوی اس ناول کے نمایاں کردار ہیں۔ ان کرداروں کے ساتھ ساتھ گالینا، روحا، جینا، اشوک کوہلی، سردار قالب، قادر قریشی، داؤد اکبر، شوکی چھوٹا جیسے کچھ کردار بھی اپنی اپنی جگہ اہم ہیں اور کہانی کی تکمیل میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ کہانی کا آغاز ماسکو میں مقیم ظہیر الدین سے ہوتا ہے۔ جو تقریباً پچاس برس سے ماسکو میں قیام پذیر ہے۔ یہاں وہ بڑھاپے کی حدود میں قدم رکھ چکا ہے۔ روس میں اپنی بیوی گالینا اور دو بچوں کے ساتھ اب اس عمر میں اسے اپنا ملک پاکستان اور اپنا شہر بوریوالہ یاد آ رہے ہیں۔ اپنے باپ شمس الدین انقلابی کی آدرشوں کی تلاش میں وہ ماسکو آتا ہے تو یہاں گالینا کی محبت میں گرفتار ہو کر واپس نہ جانے کا فیصلہ کر لیتا ہے اور اس کا سبب اپنے باپ کو یہ بتاتا ہے کہ میں بین الاقوامی نظام کی تبدیلی کا حصہ بننا چاہتا ہوں۔ اب ایک ایسے دور میں جب سوویت یونین ٹوٹ کر روس بن چکا ہے، وہاں ظہیر الدین جیسے افراد کا جینا دوبھر ہو جاتا ہے۔ یہ بدلا ہُوا روس ہے، جہاں مختلف لوگ اور ہجوم ظہیر الدین انقلابی کو غیر ملکی ہونے پر تشدد کا نشانہ بناتے ہیں۔

یہی کیفیت ہنگری کے شہر بودا میں قیام پذیر مصطفیٰ اسلام شیخ کی ہے جو کیمونزم کی آدرشوں کی تلاش میں یہاں آتا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران سوشلسٹ نظریات سے متاثر ہو کر ہنگری چلا آتا ہے۔ اس کی جوان بیٹی جینا اپنے باپ کی بنیادوں کی تلاش میں لاہور پہنچ جاتی ہے۔ یہی کیفیت ماسکو میں مقیم وارث چودھری اور برلن میں مقیم عارف نقوی کی ہے جو آئیڈیالوجی کی تکمیل کے لیے اپنا ملک پاکستان چھوڑ کر باہر قیام کرتے ہیں تو طویل عرصہ بیت جانے کے بعد انہیں زیاں کا احساس ہوتا ہے اور وہ واپس اپنے ملک پاکستان کے شہر لاہور آ جاتے ہیں۔ یہاں آ کر بدلا ہُوا لاہور اور گزرا ہوا وقت انہیں ماضی کی دھول سمجھ کر قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں تو مختلف جگہوں پر یہ کردار موت سے ہمکنار ہو جاتے ہیں (۱)۔

''اے غزال شب'' میں مستنصر حسین تارڑ ناول نگاری کے فن کی بلندیوں پر فائز نظر آتے ہیں۔ اس ناول کا پلاٹ عمدہ اور کردار جیتے جاگتے انسان دکھائی دیتے ہیں جو تبدیلی سے ہم کنار ہوتے ہیں اور یہ تبدیلی زندگی کی علامت دکھائی دیتی ہے۔ پھر منظر نگاری، پلاٹ، کہانی کی پختگی اور تاریخی کرداروں اور واقعات پر مکمل عبور نے تارڑ کو فنی معراج پر پہنچا دیا ہے۔

ظہیر الدین اس ناول کا مرکزی کردار ہے۔ فکری آدرشوں کی تکمیل میں سرگرداں اس کردار کی ملاقات جینا سے ہوئی ہے تو وہ نئے جذبات اور احساسات سے ہمکنار ہوتا ہے۔

> ''یہ کیسی مہک اور خوشبو تھی جو نہ کبھی شیراز کے گلابوں سے کشید ہوئی، نہ کسی عطار کے مرتبان میں سے اٹھی۔ یہ مہک پھولوں سے نہیں ایک زندہ اور گرم بدن عورت میں سے پسینے اور خود سپردگی میں سے کشید ہوئی تھی۔'' (۲)

یہ قربت ملنے پر ظہیر الدین سمجھتا ہے کہ وہ دنیا بھر میں سُرخ انقلاب برپا کرنے میں معاون ثابت ہوسکتا ہے، لہٰذا وہ ماسکو میں مستقل سکونت اختیار کر لیتا ہے۔ مگر پچاس برس بعد ایک ایسی تبدیلی اس کی فکر میں رونما ہوئی ہے، جو حیران کن ہے اور اس طرح کے انقلابی کے ہاں یہ تبدیلی بظاہر ممکن دکھائی نہیں دیتی، مگر یہ وہ وقت ہوتا ہے جب حالات کی تبدیلی، سوویت یونین کا ٹوٹنا اور اپنی آئیڈیالوجی بے معنی اور فریب دکھائی دینے لگتی ہے۔ اس کے اندر رونما ہونے والی یہ تبدیلیاں اس قدر شدید ہوتی ہیں کہ ظہیر الدین ایسا انقلابی اس نظام سے بدظن ہو کر طالبان سے ہمدردی کے جذبات محسوس کرنے لگتا ہے کیوں کہ طالبان بھی اسے اپنی طرح آئیڈیل کی دھن کے پکے دکھائی دیتے ہیں:

''تم جاننا چاہتے ہو کہ میں کیوں ان کے نزدیک محسوس کرنے لگا ہوں وارث.....وہ بھی ایک مقصد کی خاطر ایک آئیڈیل کے حصول کیلیے برسرِ پیکار ہیں نہ خریدے جاسکتے ہیں نہ زیر کیے جاسکتے ہیں۔ کیا ہمیں ان میں اپنے ماضی کی کچھ جھلکیاں محسوس نہیں ہوتیں؟۔''(۳)

یہیں پر تارڑ نے ہماری ملاقات قادر قریشی جیسے دوغلے اور بے رحم کردار سے کرائی ہے۔ مذہب کا لبادہ اوڑھے ہوئے اس شخص کا پیشہ دلالی ہے۔ اشوک کوہلی جیسے لوگوں کو کم عمر لڑکیاں مہیا کرنا اس کا خاص مقصد ہوتا ہے۔ لیکن اپنے آپ کو ایسا متقی ظاہر کرتا ہے کہ مے نوشی کے دوران تسبیح پاس نہیں رکھتا اور جب اشوک کوہلی اُس کے جال میں نہیں پھنستا تو پھر کچھ یوں گویا ہوتا ہے:

''میرا خیال ہے اوپر کی منزل میں محفل نعت برپا ہونے کو ہے۔ نعت خواں حضرات ہمارے منتظر ہوں گے.....تو آیئے اپنی روح کو مصفا کرنے کی خاطر اس محفل میں شریک ہو جائیں۔''(۴)

مستنصر حسین تارڑ کی خوبی یہ ہے کہ ان کے سفرناموں اور ناولوں کا خمیر پاکستان کی مٹی سے ابھرا ہے۔ مٹی کی یہ محبت تارڑ کی سرشت میں رچی بسی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور اس کا اظہار ان کی کہانیوں اور سفرناموں میں بخوبی ملتا ہے۔ خاص طور پر لاہور سے تعلق ہونے کے باعث لاہور کی تہذیب، ثقافت، رسُوم ورواج اور مقامات کا بیان تارڑ کے ناولوں کا اہم موضوع دکھائی دیتا ہے۔ ''اے غزال شب'' گرچہ اشتراکی فکر اور آدرشوں کے درمیان گھومنے والے لوگوں کی داستان ہے مگر ناول نگار نے اس ناول میں کمال خوبی سے لاہور کی تہذیب وثقافت کی پیش کش کی ہے اور لاہور کی تہذیب کی پیش کش کے حوالے سے تارڑ ایک خاص اسلوب بیاں کے مالک ہیں۔ تارڑ اپنے اسی اسلوب سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان کا کوئی بھی ناول اٹھا لیجیے، اس میں اسلوب کا ایک بہتا ہُوا دریا ملے گا، جو پڑھنے والے کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔(۵)

لاہور کی تہذیبی زندگی کا خاص حوالہ اس شہر میں موجود تاریخی عمارات ہیں۔ خاص طور پر مغل دور اقتدار میں ہونے والی تعمیرات پرشکوہ، فن تعمیر کا شاہکار اور تاریخی ہونے کے ساتھ ساتھ اس شہر کا بھرپور تہذیبی حوالہ ہیں۔ لاہور کی اس تہذیب وثقافت کی پیش کش کے دوران تارڑ اپنے فن ناول نگاری اور اسلوب بیان کی طولانیوں پر نظر آئے ہیں۔ لاہور کی تہذیبی زندگی بھرپور، متنوع اور رنگین رہی ہے جس کی وجہ سے اس نے ہر دیکھنے والے کو لبھایا اور اپنی طرف کھینچا ہے، چاہے وہ کسی اور شہر کا باشندہ ہی کیوں نہ ہو۔

''یہ ایک میوزیکل شہر ہے اور اس شہر پر میرا حق بنتا ہے۔ آخر باپ کی جانب سے میں کم از کم آدھی

لاہورن تو ہوں۔"(۶)

تارڑ کو نہ صرف ملکی بلکہ بین الاقوامی سیاست کا بھی گہرا شعور ہے۔کسی بھی فن کار کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے اردگرد اور دور از کار رہونے والی تبدیلیوں کو نہ صرف سمجھتا ہو بلکہ اسے ان تبدیلیوں کیا سباب کا بھی پتا ہونا چاہیے۔تارڑ کے ہاں بھی یہ ادراک موجود ہے۔وہ سوویت یونین ٹوٹنے کی آڑ میں تہذیبی تبدیلی کا نظریہ پیش کرتے ہیں:

''جب کبھی کوئی عظیم تہذیب زوال پزیر ہوئی ہے تو اُس تہذیب کے جتنے بھی کل پرزے ہوتے ہیں.....سب ناکارہ اور بیکار ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے لوگ آجاتے ہیں۔''(۷)

گویا یہ کہنا بجا ہوگا کہ تہذیب اور وقت کبھی بھی کسی کا انتظار نہیں کرتے۔جو بھی شخص ایک دفعہ اس کے دائرے اور دھارے سے نکل گیا،اس کا دوبارہ داخلہ مشکل ہو جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اپنی فکری آدرشوں کی خاک چھانتے چھانتے تھک جانے والے یہ لوگ جب واپس لاہور لوٹتے ہیں تو وقت کا دھارا سب کچھ بہا کر لے جا چکا ہوتا ہے۔صرف لوگ ہی نہیں بدلتے بلکہ تہذیبی اقدار اور شہر کا مزاج بھی بدل چکا ہوتا ہے:

''جس میں اس نیا پنی نو خیزی کے دن گزارے تھے وہ کوچہ بہت کشادہ ہُوا کرتا تھا۔اب جو سامنے گلی تھی وہ سکڑی ہوئی ایک تنگ گزرگاہ دکھائی دیتی تھی۔''(۸)

اس تبدیلی کی بنیادی وجہ لاہور شہر میں ہونے والی بے پناہ مادی ترقی بھی ہے جس کی وجہ سیاس شہر کے بنیادی ڈھانچے میں بنیادی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئی ہیں۔صرف یہ شہر ہی کیا ہر بڑے شہر کا آج کے دور میں یہ بنیادی المیہ ہے کہ بے پناہ مادی اور کاروباری ترقی نے سماجی اور مدنی سطح پر پورے ماحول کو بدل کر رکھ دیا ہے۔اس لیے ہر بڑے شہر کی طرح لاہور شہر میں بھی رہائشی عمارتیں اور علاقے کمرشل ہو رہے ہیں اور بڑے بڑے پلازے تعمیر کیے جا رہے ہیں۔

''باغبان پورہ کا وہ مکان جس کی اسے جستجو تھی کب کا ڈھے چکا تھا..... وہاں ایک واہیات، چھچھورے ذوق کا مختصر پلازہ تعمیر ہو چکا تھا۔''(۹)

موجودہ دور میں ہونے والی یہ تبدیلی محض تہذیبی و مدنی سطح پر ہی نہیں بلکہ فکری سطح پر بھی رونما ہوئی۔وہ خواب،نظریات اور آدرشیں جو کسی زمانے میں لوگوں کو بہت عزیز تھیں،اور لوگ ان پر کسی کی بات سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے،آج خود ہی ان پر سوالیہ نشان لگا رہے ہیں۔

''مئے انقلاب کی سرخ شراب جس کے ہم رسیا اور مخمور تھے.....سادہ پانی ہو چکی تھی بلکہ اُس میں سرمایہ دارانہ نظام کے فربہ کیڑے مکوڑے بھی کلبلاتے پھرتے تھے۔''(۱۰)

تارڑ نے یہاں اشتراکی فکر پر سوال اٹھائے ہیں۔ان کے نزدیک اس فکری نظام کا اس طرح خاتمہ یقیناً اس میں موجود کسی جھول کا شاخسانہ ہو سکتا ہے۔علاوہ ازیں یہ بھی حقیقت ہے کہ معاشرتی سطح پر اس نظام کے خالصتاً نفاذ نے کئی طرح کے مسائل کو جنم دیا جس کی وجہ سے یہ نظام قائم نہ رہ سکا اور سوویت یونین کا ٹوٹنا بھی اس کی ہی وجہ تھا۔اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا کا unipolar ہونا بھی نظریات کی شکست و ریخت کی وجہ بنا۔خود روس بھی فکری سطح پر اس طرح کی شکست و ریخت سے نہ بچ سکا۔

''جن چھاپہ خانہ میں کیمونسٹ لٹریچر اور روسی ادب کے شاہکار چھپتے.....وہاں امریکی جاسوسی ناول کے روسی تراجم اور پورنوگرافک میگزین دھڑا دھڑ شائع ہونے لگے۔''(۱۱)

''اے غزال شب''مستنصر حسین تارڑ کے ایسے ناولوں میں شمار ہوتا ہے جس میں وہ ناول نگاری کے فن کی بلندیوں پر فائز دکھائی دیتے ہیں۔اس ناول میں تارڑ نے لاہور کی تہذیب کی خوب صورت جھلکیاں پیش کی ہیں۔ بلاشبہ لاہور کی تہذیبی پیش کش کے حوالے سے''اے غزال شب''نمائندہ ناول کہا جاسکتا ہے۔

میر امن دہلوی نے باغ و بہار کی تصنیف میں خود کو دلی کا روڑا کہا تھا(۱۲)۔اور خود کو دلی کی زبان، رسوم و رواج اور تہذیب کا نمائندہ تسلیم کرتے ہوئے خود کو اس تہذیب کا شارع قرار دیا تھا تو اس کی وجہ دلی کے ماحول اور تہذیب کے ساتھ اُن کی گہری واقفیت اور لگاؤ کہا جاسکتا ہے۔اس لیے انہوں نے باغ و بہار میں دلی کی تہذیب کو پوری طرح سمو دیا۔ یہی صورت حال مستنصر حسین تارڑ کے ساتھ لاہور کی تہذیبی زندگی کے بیان میں ہے۔تارڑ کے ناولوں بالخصوص''راکھ'' اور''اے غزال شب''میں لاہور کی تہذیب بھرپور انداز میں سامنے آئی ہے۔اور تارڑ ایک ایسے ناول نگار کے روپ میں سامنیآئے ہیں جن کے ہاں نہ صرف لاہور کی تہذیب وثقافت کے ساتھ گہری وابستگی اور جان کاری موجود ہے، بلکہ وہ اس تہذیب کو اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ پیش کرنے کا ہنر بھی بخوبی جانتے ہیں۔وہ اپنے ناولوں میں کرداروں اور واقعات کو اس انداز میں لاہور کر تہذیب کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں کہ ان کے ذریعے لاہور کی تہذیب قاری کی آنکھوں کے سامنے روشن دکھائی دیتی ہے۔بطور ناول نگار مستنصر حسین تارڑ لاہور کی تہذیب کے نمائندہ قرار دیے جاسکتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ مستنصر حسین تارڑ، اے غزال شب، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز ۲۰۱۳ء)

۲۔ ایضاً، ص ۱۱

۳۔ ایضاً، ص ۱۰۱

۴۔ ایضاً، ص ۱۰۳

۵۔ احمد صغیر، اردو ناول کا تنقیدی جائزہ، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۵ء)، ص ۱۴۵

۷۔ ایضاً، ص ۳۲

۸۔ ایضاً، ص ۱۵

۹۔ ایضاً، ص ۱۶۵

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۸۰

۱۱۔ ایضاً، ص ۶۳

۱۲۔ ایضاً، ص ۵۱

۱۳۔ میر امن، باغ و بہار، (دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۹۲ء)، مرتبہ: رشید حسن خان، ص ۳۶